© rasailojaraid.com

حیات امیر شریعت

تجزیہ و تعارف

جانشین امیر شریعت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری

مناقب و سوانح اور تاریخ و سیرت کی اکثر کتب میں متعدد بزرگوں کے متعلق مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے لکھنے والوں نے کچھ اس قسم کے فقرات و کلمات لکھے ہیں کہ

فلان نشأ فی بیت علم وّ شعر وّ ادب وّ حکمتہ کان فصیحاً بلیغاً خطیباً مصقعاً، سخیاً جوّاداً، شھیماً شجاعاً، عابداً زاہداً فقیہاً عارفاً، وما سوٰی ذالک!

اپنا خیال یہ ہے کہ اس عبارت میں اگر کچھ پیوند اور لگا دیئے جائیں اور بایں صورت کہ:

نشأ فی بیت مجدد وّ شرف و کرم نجابتہ و غذی بلبان علم وادب و شعر و حکمۃ وفقاہۃ و معرفتہ۔ کان لبیباً فطیناً، شھماً ذکیا،فصیحاً بلیغاً حافظاً قارئاً، خطیباً مصقعاً، سخیاً جواداً، عابداً زاہداً امیناً عفیفاً، بطلاً شجاعاً، عمیداً زعیماً، فارساً مغواراً فاتحاً منظماً وّسیداً وّمسوداً۔

(فلاں ممدوح نے شرافت اور بزرگی اور خالص حسب و نسب والے گھرانے میں ہوش کی آنکھ کھولی، علم و ادب، شعر و حکمت اور فہم و معرفت کی غذاء سے اس کی پرورش ہوئی۔ وہ عقل و ہوشمند، بلند فطرت اور ذکی الحس، فصیح و بلیغ، حافظ و قاری، خطیب و زباں آور، سخی و صاحب جود و عطاء، عابد و زاہد، امانت دار و پاک دامن، بیباک و بہادر، معتمد و رہنما، شہسوار و یلغار افگن، فاتح و مدبر اور سید و سردار تھا)۔

اس مسلسل مگر مختصر وصف آرائی سے آئندہ سطور میں مذکور ہونے والی ہستی کے لوازم و خصائص کا ایک ہیولیٰ اور خاکہ طیار ہو جائے گا۔ پھر بات بھی سمجھنے اور ماننے کی ہے کہ:

۱۔ جس ذات کو پونے چودہ سو سال کے دہر مدید اور طویل عرصہ میں صرف چھتیس پشتوں کی وساطت سے سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبتی قرابت اور حسبی وراثت کا تعلق میسر ہو! کہ جن کا نام نامی خود نجابت و کرم اور مجد و شرافت کے لئے سند ہے تو اس کی شرافت و نجابت میں کوئی کلام ہو سکتا ہے؟

جس ذات کو آب و دام کی طرف سے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سخن فہمی و نکتہ سنجی فطرۃً ودیعت کی گئی ہو، تعلیم دین اور تہذیب و اخلاق جس کی گھٹی میں پڑے ہوں۔ اور جس کی طبعی نفاست اور ذوق انتخاب کو اہل نظر دنیا میں صرف کبوتر کا حسن و معصومیت، باز کی جرأت و قناعت، گھوڑے کی وفاء و شرافت اور شیر کی حمیت و شجاعت راس آئی ہو اس کی بلند دماغی، علم پروری اور ادب نوازی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے؟۔

جس ذات کے فکر عالی اور نگاہ بصیرت کا سکون اور جس کے دل و جان کی راحت انسانی اخلاق کے حسب ذیل عناصر اربعہ میں منحصر ہو جائے۔ یعنی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بفحوائے قول حسن مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

التمسوا الخير في حسان الوجوہ۔ (الحدیث)

اچھے چہروں میں بھلائی کی جستجو کرو۔

اولاً اسے حسن صورت مرغوب ہو۔ اور

بمقتضیٰ کلامِ خلقِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم۔

انما بعثت لا تمم مكارم الاخلاق

میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ با عزت عادات و خصائل کی تکمیل کر دوں۔ (ترمذی)

ثانیاً اسے جمالِ خلق محبوب ہو۔

اور بمفہوم ارشادِ انفس الکائنات ریحانۃ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم۔

حبب الي الثلث (ومنها) الطيب (بخاری)

میرے دل میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے اور انہیں میں سے ایک خوشبو ہے۔

ثالثاً۔۔۔ اسے شمیم جانفزا مطلوب ہو۔

اور بمطابقت فرمانِ اعدلُ الناس صلی اللہ علیہ وسلم:

من لم يتغن بالقرآن فليس منا۔ (ابوداؤد)

جو شخص تلاوت قرآن میں حسن صوت و خوش الحانی ملحوظ نہ رکھے۔ وہ ہم سے بے تعلق ہے۔

رابعاً۔۔ وہ مزامیر آل داؤد (علیہ السلام) کے نغمہ موزوں کا مجذوب ہو جیسا کہ اس نے خود زبان نبوت کی ترجمانی کرتے ہوئے ان اوصاف چہارگانہ کو اپنے مندرجہ ذیل شعری مقولہ میں قلمبند بھی کیا ہے۔

باغ و بہار ماندیم یعنی کہ جنۃ النعیم

تو کیا اس ذات کی موزونیٔ طبع پاکیزگیٔ فطرت اور ذوق شعر و حکمت پروری میں کوئی تردّدو تذبذب ہو سکتا ہے؟۔

جس ذات کو باب الولایت اسد اللہ الغالب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو کہ، درجِ خلافت راشدہ کے چوتھے لولوئے تابدار ہیں، ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سید الامت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو جن کے صدقہ میں امت مرحومہ قتل و غارت سے مامون ہوئی۔ نیز صلح و عافیت اور امن و راحت سے فیضیاب ہوئی۔ سید الاولیاء سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ، کہ جن کے دم سے دنیائے ولایت و قطبیت میں بہارِ تازہ آئی اور عالمِ کشف و کرامت و مجاہدہ کی رونق دوبالا ہوئی۔ مقبول بارگاہ ایزدی، مستجاب الدعوات، قطب کامل و ولی عصر سید محمد بخاری رحمۃ اللہ کہ جن کی دعاء مقبول اور توجہ باطنی کے طفیل سلطان مراد خان ثانی مرحوم کے ہاتھوں خدام الحرمین ترکان احرار کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل مراد تک پہنچی۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ سید عبدالغفار بخاری رحمہ اللہ کہ جن کے وجود کی برکت اور تاثیر علم و عمل سے سلطان زین العابدین مرحوم والیٔ کشمیر کے عہد میں ریاست اور اس کے نواح و مضافات تک قانون الٰہی کا سکہ جما اور اسلامی حکومت کا پرچم لہرایا۔ مومن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامل، مردِ مجاہد، مہاجر الی اللہ والرسول سید اکمل الدین محمد بخاری رحمہ اللہ کہ جنہیں خاندان نقشبندیہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے آستانہ سے صرف چند دنوں کی مصاحبت پر خرقۂ خلافت و پروانۂ بیعت وارشاد عطاء ہوا۔ اور وہ رنجیت سنگھ کے عہد میں اپنے مجاہدانہ عزم و سیرت اور مومنانہ فراست و تدبر کے باعث شہرہ آفاق رہے۔ ولی کامل صاحب الجلالت سید نور الدین بخاری رحمہ اللہ جو تلاش مرشد میں حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی قدس سرہ کی خدمت میں چلے تو شیخ کامل پر بذریعہ کشف اس مرید باصفاء اور طالبِ صادق کی جلالت قدر و عظمت شان منکشف ہوئی اور خانقاہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی حضرت خواجہ تعظیماً و استقبالاً سرو قد ہو گئے۔ اور خادم خاص بھیج کر سید مرحوم کو خانقاہ میں بصد احترام بلوایا۔ اور بیعت کے چند روز بعد پروانۂ خلافت اور سند بیعت و ارشاد عطاء کر کے رخصت کیا۔ زہد مجسم واصل باللہ ولی وقت حضرت حافظ سید ضیاء الدین بخاری رحمہ اللہ کہ جن کی ساری زندگی زہد و ورع، عبادت و تقویٰ، صبر و عزیمت، ضبط و مجاہدہ، اور کفایت و قناعت کی فقیرانہ شان میں بسر ہو گئی۔ ان اکابر رجال سے نسباً و مشرباً ابنیّت و ولدیت حقیقیہ کی نسبت حاصل ہو۔ مزید برآں عالم باعمل جامع شریعت و طریقت حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ سے نسبت بیعت و سلوک حاصل ہو۔ اور امام العارفین، مرجع العلماء والصلحاء الشیخ عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ نسبت بیعت و سلوک اور رابطۂ خلافت و مجازیت نصیب ہو۔ یعنی جو سب بزرگوں کی مختلف نسبتوں کے طفیل حسنیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے تمام خانوادوں کے فیوض و برکات کا مجمع و مظہر ہو۔ کیا دریائے علم و معرفت میں اس کی پیراکی و شناوری اور مدارج ولایت و سلوک سے اس کی آگاہی و آشنائی میں کوئی قدح کی جا سکتی ہے؟

جس ذات کی والد ماجد مرحوم جیسے مربی کامل کی زیر نگرانی، عالم طفولیت میں مرحلہ تکلم تک پہنچنے پر قل ھو اللہ احد کی صدا سے شہادت توحید اور اعلانِ حقیقت کبریٰ کے ساتھ زبان کھلوائی گئی ہو۔ اور عدم بلوغ کی حالت میں ہی جس کا سینہ حفظ کلام اللہ کا امانت دار ہو گیا۔ اور جس کے کام و دہن، حسن تلاوت و قرأت داؤدی کے مناد بن گئے ہوں۔ پھر جس نے طلب علم الہیٰ کی راہ میں مبادی و مقدمات کے طور پر اردو اور فارسی نظم و نثر اور انشاء و ادب کی چوٹی کی کتب شرح صدر کے ساتھ از خود حل کر لی ہوں اور اساتذہ کرام کی ذات جس کے لئے محض وسیلہ کا درجہ رکھتی ہو۔ اور علوم خادمہ، یعنی منطق و فلسفہ، صرف و نحو، فقہ و اصول، اور حدیث و تفسیر میں جس نے محنت اور جدوجہد کے بغیر عبارت و معنی کا حقیقی ربط، چند دنوں کے اندر اندر معلوم کر کے اساتذہ و اکابر کی مخلصانہ و والہانہ دعاؤں کا قابلِ قدر انعام پایا ہو۔ پھر بفحوائے قول معلم انسانیت وآقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین (مشکوٰۃ)

خدا جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر لے اسے دین میں سمجھ عطاء کر دیتا ہے۔

نیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ۔ (الحدیث)

تم میں بہتر انسان وہ ہے جو علمِ قرآن حاصل کرے اور پھر اس کا علم عام کرے۔

جس نے اولاً اپنی زندگی کتاب اللہ کی صوری و معنوی اقتداء و اطاعت میں ڈھالی اور پھر مدراس سے لے کر ہنگو، اور شملہ کی چوٹیوں سے لے کر بمبئی کے حال تک لاکھ نہیں کروڑوں انسانوں کو قرآن خوانی، قرآن فہمی، قرآن دانی اور مطالبات قرآنی پر ایثار و قربانی کا سبق دیتے ہوئے مؤمنانہ فراست و جرأت اور مجاہدانہ عزم و تدبر کے ساتھ بسر کر ڈالی ہو۔ اور جسے وقت کے علماء ظاہر و باطن نے ماہر اسرار کلام اللہ کا لقب دے کر اس کے علم و عمل بالقرآن کی صحیح داد دی ہو۔ کیا اس کی فقاہت فی الدین اور اس کے سر پر آسمانی خیر و برکت کے سایہ فگن ہونے میں کوئی تاویل کی جا سکتی ہے؟۔

جس ذات کو عقلِ سلیم و دینی بصیرت نے اثناء تعلیم و تعلم میں ہی ذاتی ماحول سے لے کر شہری و قومی زندگی تک ہر گوشہ کی اصلاح کے لئے آمادہ و مستعد کر دیا ہو اور اس نے موت و حیات، شادی و غمی، تعلیم و تربیت، تہذیب و تمدن، معاشرت و اخلاق، تجارت و اقتصاد، اور سیاست و حکومت جیسے اہم ترین موضوعات پر چند سال میں سینکڑوں مواعظ و خطبات و تقاریر کے ذریعہ تبلیغ عقائد حقہ، تنقید رسوم قبیحہ، احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ باحسن وجوہ اداء کیا۔ اور ہر کہ ومہ اور عامی و عالم کو اعتراف حقیقت پر مجبور کر دیا ہو۔ جس کی مصلحانہ روش اور تجدیدی کارروائی نے لاکھوں انسانوں کی زندگی کا رخ اوہام و رسوم، جاہلیت، فرنگیت، بد اخلاقی و بد تہذیبی، اقتصادی بدحالی و سیاسی یتیمی پر قناعت کئے رہنے کے بجائے حکومت و آزادی طلبی، وطن و ملت کی خود مختاری، فرنگ دشمنی و تردید جاہلیت، حسن معاشرت و تہذیب اخلاق، اعلانِ توحید و ختم نبوت اور فی الجملہ شریعت اسلامیہ کے غلبہ و اقتدار کی جدوجہد کی طرف موڑ دیا ہو۔ اور جس کی تاثیر قول و عمل سے ملک میں ایک مستقل جماعت و تحریک "حُریتِ اسلامیہ" کی داغ بیل پڑ کر ملک و ملت کی اہم ترین خدمات بجا لانے کا ناقابل فراموش تاریخی و انقلابی کارنامہ سرانجام پا چکا ہو کیا اس ذات کی ذہانت و طباعی، عقل و فراست اور ملک و ملت کی صحیح نباضی کا اعتراف و اقرار کئے بغیر کوئی چارہ کار ہو سکتا ہے؟

جس ذات کو قدرت علی الکلام، طلاقت لسانی، زبان آوری و ہفت زبانی کا جوہر فطرت میں ودیعت کیا گیا ہو۔ انتخاب موضوعات و مضامین اور تبدیلیٔ اسلوب و طریقِ بیان میں وہ فرد ہو۔ ساحرانہ تاثیر و نفوذ، جذبات آفرینی اور انقلاب انگیزی جس کی خطابت کا زیور ہو۔ تنقیدِ اعتراضات و تردید خرافات، اثبات معتقدات و تطبیق واقعات، نیز آیات و احادیث سے استدلال اور اشعار و محاورات سے استشہاد میں جس کو مہارت تامہ حاصل ہو۔ مزاح و تفنن اور طنز و ہجو ملیح سے تزئین کلام میں جس کو درجہ کمال حاصل ہو۔ زیر بحث موضوع سے فنکارانہ گریز اور مقصود خطاب کی طرف ماہرانہ رجوع میں جسے ید طولیٰ حاصل ہو۔ عوام و خواص کے دل و دماغ کو آنسوؤں کی روانی اور قہقہوں کی پرواز کے درمیان اعترافِ حق و انکار باطل کی وادی میں لاکھڑا کرنا اور اصحاب و احباب اور اکابر کی دعاؤں کے جھرمٹ میں اغیار و اعدا پر صرف تیغ زباں کے سہارے چھا جانا اس کے مقدر میں لکھا گیا ہو۔ جس کی مبلغانہ و متکلمانہ اوصاف گرامی سے مزین و مجلّی شخصیت کا اس نصف صدی میں ابھرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے ہر ذی استعداد مقرر اور فنکار خطیب نے بارہا اعتراف کیا ہو۔ چنانچہ:

مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے ایک دفعہ بے قابو ہو کر دفتر زمیندار لاہور میں خود ممدوح موصوف کے رو برو یہ کہا: "بخاری! تونے لوگوں کو اپنی تقریروں کا جو پلاؤ قورمہ کھلا کھلا کر ان کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ ارے ظالم! اس کے بعد ہمارے ساگ ستو کو کون پوچھے گا؟" اور اس کے بعد فرط جذبات میں اٹھ کر پیشانی چوم لی۔

پھر جب سیاسی اختلاف بڑھ گئے تو غالباً "ہمدرد" میں یہ انتباہ کر کے "ایک مشورہ" بھی قوم کو دیا کہ:

"یہ شخص جادو گر ہے۔ اسے تقریر کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔ اس کا وجود بڑا خطرناک ہے۔ کیونکہ لوگ اس کی تقریر سے مسحور و مبہوت ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ چاہے تو انہیں اچھائی کے بجائے کسی غلط کام پر بھی آسانی سے آمادہ کر سکتا ہے۔ میرا بس چلے تو میں اسے کبھی تقریر نہ کرنے دوں"۔ اور یہ جذبات ہی گواہ ہیں کہ جوہر کا یہ رشک آمیز قول حریفانہ معاصریت اور رقیبانہ چشمک کا کس قدر صحیح آئینہ دار ہے؟۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے تحریک خلافت میں بھی ممدوح شخصیت کی نمایاں خدمات کا اعتراف کیا پھر اپنی بیعت امامت جہاد کے وقت جامع عالمگیری (بادشاہی مسجد) لاہور میں اس مبلغ اعظم اور خطیب امت کی قادر الکلامی و جادو بیانی اور عوامی جذبات و میلانات پر ضبط و توازن کا پہرہ بٹھا دینے کا نظارہ دیکھا۔ اور ایک مدت بعد ۱۳۶۵ھ، ۱۹۴۶ء میں وزارتی مشن کی آمد پر رجعت پسند افراد و ادارات کے خلاف اور قوم پرور و آزادی خواہ عناصر کی ترجمانی کرتے ہوئے دہلی کے ایک بے مثال کے آخری اجتماع میں اس کے حسنِ اداء کی تعریف کی۔ نیز اس کے دینی و قومی شعور اور سیاسی تجزیہ پر تحسین و تصویب کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے کہ:

"میرے بھائی آپ کے اس بیان اور اس خدمت پر ملک وملت کا ہر گوشہ خوش اور شکر گزار ہے"۔

اور یہ کلمات ابوالکلام جیسی شخصیت کی طرف سے کسی انسان کے لئے اس کی کسی خوبی کا بہت بڑا اعتراف اور گراں قدر ہدیۂ تشکر و تحسین ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے ان کے سریع النفوذ مواعظ، مؤثر و جذبات آفریں تقاریر، اور شعلہ بار خطبات کا غلغلہ سنا تو احباب و متوسلین کے رو برو خانقاہ کی ایک مجلس علم و عرفان میں حضرت الاستاد مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی شہادت کے مطابق اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ: "بھائی عطاء اللہ شاہ صاحب کی کیا بات کرتے ہو۔ ان کی باتیں تو عطاء اللّٰہی ہوتی ہیں"۔

نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے اِن کا شہرۂ خطابت سنا اور اس کے اثرات محسوس کئے تو یارانِ محفل اور رازدارانِ حقیقت کے سامنے متعدد بار تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کئے اور ایک دفعہ بے اختیار ہو کر ایک خاص دوست سے یہ کہہ ڈالا کہ:

"اے کاش! میں اس شخص کو مسلم لیگ میں لاسکتا؟ اگر یہ میرے ساتھ ہو تو چھ ماہ کے اندر اندر ملک میں انقلاب برپا کر دوں"!

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم ایک دفعہ حضرت ممدوح کی سخت علالت پر دہلی میں بغرض عیادت و مزاج پرسی ان کی قیام گاہ پر پہنچے اور حالت غیر دیکھی تو اظہار و افسوس کرتے ہوئے فرش پر بیٹھ کر ان کی تقریر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وخطابت کے ذریعہ انجام دی ہوئی خدمات کی اہمیت بیان کی اور آئندہ کے لئے ان کی ضرورت پر حسب ذیل تبصرہ کیا کہ:

"شاہ جی! آپ تو بہت کمزور ہو گئے! میں تو سمجھا تھا کہ معمولی تکلیف ہے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تم اس حالت کو پہنچ گئے ہو۔ شاہ جی! تم کسی ایک کے نہیں۔ تم تو سب کے ہو۔ تمہیں اس حال میں دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا ہے۔ تم نے پہلے بھی بڑا کام کیا۔ اور ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ شاہ جی۔ اپنی صحت کا بہت خیال کرو۔ تم اپنے اس وجود کو اپنا نہ سمجھو۔ یہ تمہارا نہیں کسی کی امانت ہے۔ شاہ جی! تم تو اسلام کی مشین ہو۔ تمہاری ابھی بہت ضرورت ہے۔ قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے راقم السطور کے نام ایک ذاتی مکتوب تحریر فرمایا تو ضمناً میری ادبی تحریک کو سراہتے ہوئے شہادت واقعہ کے طور پر یہ کلمات بھی سپرد قلم کئے کہ:

"حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس افادیت کو ہمارے محترم بزرگ حضرت شاہ صاحب نے تبلیغی رنگ میں قائم کیا اور ایک "بے مثال خطابت" کے ذریعہ دنیا کو فائدہ پہنچایا۔ آپ نے بھی الولد سرہ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کی رمز اور بھید ہوتا ہے) کے مطابق اسے قائم ہی نہیں رکھا بلکہ پائیدار بنانے کی جدوجہد کی:

فکلم اتی مائتی ابیہ-------- فکل فعال کلکم عجاب!

(تم سب اپنے باپ دادا کی جگہ پر ہی آئے ہو اور تم سب کے سبھی کام خوش کن اور حیرت انگیز ہیں!)

الغرض یہ تمام اقوال اس صدی کے سربر آوردہ مقررین اور اس برعظیم کے آئمۂ خطابت کی پر اثر نفسیاتی واردات و کیفیات کا خاکہ اور ان کے جذبات و احساسات کی غیر اختیاری تعبیرات کا آئینہ ہیں۔ نیز مذکورہ ہستی کے حق میں تحسین آشنا اور کلام سخن شناس کا مصداق ہیں اور بتقاضئے قول شاعر:

ومليحہ شهدت بهاضراتها

والفضل ماشهدت بہ الاعداء

(وہ حسنِ ملیح کا مرقع محبوب کہ جس کے کمال خوبی پر اس کے رقیب بھی گواہی دیں۔ ممتاز جہاں وہی ہے اور فضیلت اسی کو حاصل ہے) کیونکہ:

وبضدهاتتبين الاشياءُ

اشیاء کا حسن و قبح اپنی ضد اور مدمقابل سے ہی خوب روشن ہوتا ہے۔

جس کے متعلق بلا مبالغہ کہا گیا، کہا جاتا ہے اور کہا جائے گا کہ جس طرح امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد علمی تحریر و تقریر کے بادشاہ ہیں؟ ویسے ہی حضرت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ بھی عوامی خطابت و تحریر کے امام و امیر ہیں۔ نیز لسانی و قومی خصوصیات کے اعتبار سے ایشیاء اور اپنی نوعیت و حیثیت کے لحاظ سے دنیا کے بے مثال مقرر و خطیب ہیں۔ جن کی زباں آوری، فی الواقعہ بھی اس دور میں "سحبانِ وائل" کی بلا تکرار و مسلسل تقاریر اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے جلال آمیز و پر شکوہ خطبات کی صدائے بازگشت ہے۔ اور جن کی خطابت طربیہ و حزنیہ، موعظہ و عبرت تبلیغ و اصلاح، اور تجدید و انقلاب غرضیکہ کلام کے ہر پہلو کا سلیس و رواں، حسین و شگفتہ اور موقر و نتیجہ خیز نمونہ کہی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ اسے مذکورہ آثار و شواہد کی روشنی میں اگر میدان وغاء میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب شہسواروں کی ٹکراتی ہوئی تلواروں کی جھنکار، لپکتے ہوئے نیزوں اور لپکتے ہوئے تیروں کی سنسناہٹ سے تشبیہ دی جائے، یا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عسکری قافلوں کے حدی گو اور رجز خوانوں کے نغمۂ موزوں سے استعارہ کیا جائے تو خلاف حقیقت نہ ہوگا۔ کیا پھر ایسی شخصیت کے جوہر فصاحت و بلاغت اور قوتِ کلام و خطابت کے متعلق مذکورہ تشبیہ و استعارہ میں کوئی لفظی یا معنوی قدغن لگایا جاسکتا ہے؟

جس ذات کے حسنِ قرأت کی جاذبیت اور موزونی تلاوت کی دلبستگی کا یہ عالم ہو کہ اہلِ اسلام اسے نزولِ وحی کی کیفیت سے مشابہ کہیں۔ غیر مسلم اس کو محض اس لئے سنیں کہ وہ دماغی سکون کا باعث اور قلبی وجد و سرور کی ضامن ہے۔ اور مسلم و غیر مسلم بلاتفریق دین و ملت ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جس شخص سے لحن داؤدی اور حسین قرأت کے جلو میں صرف اس مقصد کے لئے کلام الہیٰ سننے کو بے تاب رہتے ہوں۔ کہ اس کی تشریح و بیان میں فکر و عقل کے لئے ایک قابل غور و تدبر دعوت پوشیدہ ہے۔ اور ایک قابل عمل و باعث نجات و مغفرت پیغام مضمر ہے۔ جس کی تلاوت قرآن و بیانِ تفسیر کے طفیل لاکھوں مسلمانوں کے عقائد و اخلاق اور اعمال میں ایک خوشگوار تغیر پیدا ہوا۔ سینکڑوں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک باطنی انقلاب برپا ہوا اور انہیں کلمۂ ہدایت و دعوت اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ تو کیا ایسے حامئ کتاب الہیٰ کی سکوں پرور تلاوت اور مؤثر بیان و تفسیر کی نفع بخشیوں اور خیر آفرینیوں میں کسی احتمال کی گنجائش ہوسکتی ہے؟

جس ذات کو جذبۂ ایثار و سخاء وراثت میں ملے اور اس کا اپنا عمل انفرادی طور پر انفاق فی سبیل اللہ کی مختلف صورتوں میں یہاں تک پہنچ چکا ہو کہ وقت آنے پر وہ تن کے کپڑے بھی اتار کر صحیح ضرورت مند کی ستر پوشی کر ڈالے اور اجتماعی نقطۂ نظر سے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز شئے "جان" کو دینی و ملی جہاد میں قید و بند اور دار و رسن کی سختیاں جھیلنے کے لئے خدا کے سپرد کر دے۔ اور عمر کا ایک گراں قدر حصہ سنت یوسفیہ علیٰ نبینا و علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی پیروی کے لئے وقف کر ڈالے۔ غرض جس نے نہ افراد کے سوال و طلب پر انہیں کبھی خالی ہاتھ لوٹایا اور نہ دین و ملت کی اجتماعی پکار پر ہی کبھی اپنے جان و مال اور وقت کی قربانی سے دریغ و انحراف کیا ہو! بلکہ ہمیشہ السابقون الاولون کی صف میں کھڑے ہو کر احباب و اغیار کے لئے ایک اسوہ اور مثال قائم کی۔ اور زمانۂ تاریخ جس کے وصف و کردار کے لئے اٹل گواہ ہوں۔ تو کیا اس شخصیت کے انفرادی جذبۂ جود و سخا اور اجتماعی ولولۂ ایثار و قربانی پر کوئی انگشت نمائی کی جاسکتی ہے؟

جس ذات نے بچپن کی معصوم ساعتوں سے لے کر جوانی کی پرخطر راہوں تک سفر رشد و صلاحیت اور سعادت و فیروز مندی کے ساتھ طئے کیا۔ اور آباؤ اجداد کی سنت قدیمہ اور اکابر و مشائخ کے وطیرۂ دائمی کے مطابق توجہ الی اللہ، ذکر و مراقبہ، اداء فرائض و نوافل، قرآن خوانی، تہجد گزاری و شب زندہ داری کے لئے پابند دستور ہو کر چلہ کشی کی۔ حتیٰ کہ صوم وصال رکھ کر متواتر دو سال تک روزانہ چھ گھنٹے میں قرآن کریم ختم کیا ہو اور جس کے اپنے قول کے مطابق کہ:

"ستاروں سے میں نے بازی لگا رکھی تھی۔ پھر یہ کبھی نہیں ہوا کہ ستارہ پہلے طلوع ہو اور میں پیچھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاگوں۔ میں نے ہمیشہ اس کو شکست دی، ہمیشہ پہلے اٹھا اور معمولات پورے کئے۔ پھر خدا کی جو جو رحمتیں نازل ہوئیں ان کا کیا ٹھکانا ہے۔ لطائف کھل گئے۔ میں فضاؤں میں پرواز کرتا۔ اور ارواح قدسیہ سے ہمکلامی کی کیفیت محسوس کرتا تھا۔ روح کا تو یہ حال تھا، لیکن جسم کی یہ کیفیت تھی کہ شب و روز جو کے ستو میں طرف نمک اور پانی ملا کر یا تنور کی پکی ہوئی خشک روٹی کے خستہ ٹکڑے کھاتے رہنے سے میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا"۔

اپنے خالق و معبود کے ساتھ عبدیت و مخلوقیت کا جس شخص نے ایسا رشتہ قائم کرلیا ہو، اس کی زہد پروری اور عبادت گزاری میں کوئی شبہ کیا جاسکتا ہے؟

جس کی ذات کا عہد طفولیت قانون فطرت کی ودیعت کردہ معصومیت کے باوجود بشری اقتضاء سے پیدا ہونے والی شوخیوں اور تندیوں سے بھی خالی گزرے، بلوغت کا دور طلب علم و فضل کسب معیشت کے لئے سفر و محنت اور تکمیل سیرت کے لئے مجاہدہ و مراقبہ کی وادیاں عبور کرتے ہوئے بسر ہو، پھر صحت و توانائی کا مرقع شبابِ تازہ، اور غضب کی محبوب و دلفریب اور قابلِ رشک جوانی کا آزمائشی زمانہ، درون خانہ اور بیرون در، احباب و اغیار اور معاصرین و اکابر کی شہادت کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے قول کے مطابق یوں بیت جائے کہ:

"دنیا میں تین چیزیں حقوق العباد کی بنیاد ہیں۔ جان، مال، آبرو۔ اور ان تینوں کے متعلق (علی الترتیب) دنیا میں کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میرے ہاتھ سے اس کو کوئی آزار پہنچا ہو۔ ہتھیار تو خیر بڑی چیز ہے۔ میں نے آج تک کسی شخص کو ایک تھپڑ بھی نہیں مارا۔ رہا مال، سو اس کے متعلق بھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے اس کا روپیہ پیسہ غصب کیا ہو یا امانت میں خیانت کی ہو۔ یا لے کر واپس نہ کیا ہو اگرچہ یہ تو ہوا ہے کہ میں نے کچھ دے کر واپس نہیں لیا۔ اور اب بھی اگر دنیا داروں کی طرح سوچوں تو ہزاروں نہ سہی دو چار سو کی معمولی رقم کسی نہ کسی کے ذمہ نکل ہی آئے گی۔ خود میں فقیر ہوں۔ میرے پاس تو کیا ہو گا۔ البتہ آج سے نہیں ہمیشہ سے ہی لوگوں کے روپے پیسے اور جماعتی امانتوں کا بحمد اللہ کفیل اور محافظ رہا ہوں۔ اور کہہ سکتا ہوں کہ "اِنّی لقوی" امین! سب سے آخری اور سب سے زیادہ نازک چیز انسان کی عزت و آبرو ہوتی ہے۔ الحمد للہ! کہ آج تک میری آنکھ میلی نہیں ہوئی۔ اور دنیا میں کسی کی ماں بہن یا بہو بیٹی کی عزت آبرو کو میری ذات سے گزند نہیں پہنچا۔ حالانکہ جہاں میں جوان ہوا وہاں شب و روز لوگوں کے ننگ و ناموس سے میرا واسطہ تھا۔ لیکن ان کو ہمیشہ ماں، بہن اور بیٹی ہی سمجھا۔ کہا اور بنا کے رکھا۔ الحمد للہ کہ اس وقت ملک بھر میں میری ہزاروں مائیں بہنیں اور لاکھوں بہو بیٹیاں ہیں اور میں اپنی اولاد کے علاوہ ہزاروں بھانجوں بھتیجوں، نواسوں اور پوتوں والا ہوں۔ اور اس میں میری کوئی خوبی نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں متقی اور پارسا تھا، یا ہوں بلکہ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے باپ دادا کی عزت کا پاس تھا۔ اور ہے۔ مجھے تو ان کی پگڑی کی لاج رکھنی تھی۔ تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ خاندان سادات بخارا کا لڑکا سید نورالدین کا پوتا، اور حافظ سید ضیاء الدین کا بیٹا ایسا ویسا نکلا۔ اور اس کے بدلہ میں نیکوں کا یہ گھرانا بدنام ہوا۔ باقی اللہ کا خوف تو بڑی بات ہے اور خوش قسمت ہے وہ جسے یہ چیز حاصل ہو۔ سو الحمد للہ کہ اس بارہ میں انگلی سے غیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرم کو چھونے، اور نگاہ تک غلط نہ ہونے کی بھی قسم کھا سکتا ہوں۔

وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"۔

جس شخص کے حق میں یہ عظیم الشان، نادرالوجود، اور مثالی کریکٹر، زبان حال سے گواہی دے اور فضل خداوندی اس انداز میں اس کا شاملِ حال رہے، کیا اس ذات کی امانت و دیانت اور عفت و اخلاقی پاکیزگی پر کوئی حرف آسکتا ہے؟

جس ذات نے ذاتی آزمائشوں اور قومی و دینی ابتلاء آت میں کبھی جی نہ ہارا حتیٰ کہ گھر بار، اہل و عیال، آرام و راحت اور جان تک کو مقصد پر ترجیح دی، خدا کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو خواہ وہ ابناء وقت، غداران ملک وملت، اجیران فرنگ، اور دشمنان خدا و رسول ﷺ اشخاص کی صورت میں پیش آئیں یا شیطان کے پھیلائے ہوئے دام تزویر و تلبیس یعنی سیاست فرنگ کی قلابازیوں اور دسیسہ کاریوں کی شکل میں جس ذات نے کبھی پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی۔ بلکہ ہمیشہ نام و شہرت جاہ و مرتبہ اور مال و زر کے پجاریوں اور اخوان الشیاطین، کی حیلہ بازیوں کے علی الرغم، مومنانہ خلوص و فراست، مجاہدانہ سادگی اور صبر و حوصلہ کے باطنی اسلحہ اور وسائل استعمال کئے اور محض فضل خداوندی اور ارواح انبیاء و صلحاء رضوان اللہ علیہم اجمعین، کی تائید اور مشائخ و اولیاء رحمہم اللہ کی دعاؤں کے روحانی سہارے پر ہر دینی تحریک اور قومی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہر ملکی مصیبت میں انفرادی اور جماعتی مخالفتوں کے طوفان بد تمیزی کی سینے پر ٹکر لی۔ اپنوں اور بیگانوں کی جہالتوں اور حماقتوں کا تذلیل و انتقام کے بجائے تبلیغ و اصلاح اور عفوودر گزر سے جواب دیا۔ اور اپنی اس روش میں ہمیشہ مصلحانہ اخلاق اور پیغمبرانہ اسوہ کو مشعلِ راہ بنایا ہو۔ تو کیا اس ذات کی ظاہری و بطولت و جوانمردی اور روحانی بسالت و شجاعت پر کوئی طعن کیا جاسکتا ہے؟

جس ذات کو ہر مجلس اور اجتماع میں ذاتی صلاحیت اور قومی عزم و استعداد کی بناء پر ہمیشہ قدر و منزلت، اور عقیدت وارادات کی نگاہ سے دیکھا اور سر آنکھ پر بٹھایا گیا ہو۔ جسے ہر ادارہ اور جماعت نے جس میں اسے کسی بھی حیثیت سے شریک و دخیل ہونے کا موقع ملا ہو۔ توقع اور آرزو کو التجاء کے رنگ میں لاکر اعزاز عہدہ کی پیشکش کی ہو۔ لیکن اس فقر و استغناء کے دھنی اور دنیاوی شہرت و منزلت سے ہمیشہ نفور و کنارہ کش رہنے والے شخص نے جسے ہمیشہ ٹھکرایا اور اپنے سے بدرجہا کمتر لوگوں کو محض اخلاص و ایثار اطاعت کیشی، مقام و فرض شناسی اور ہمت افزائی کے نقطۂ نظر سے آگے بڑھایا، بلکہ اپنی زبان اور توجہ سے اسے پروان چڑھایا اور اس عمل کو بھی اپنی تحسین و تعریف کا سامان اور حیلہ نہ بنایا۔ پھر ان سب باتوں کے باوجود جس کا وجود گرامی ہر میں حل طلب دماغوں اور متجسس و استفسار آمیز نگاہوں کا مرکز بنا رہتا ہو، جس کے اقوال و ارشادات ابتداءً صدائے درویش یا نداء مجذوب سمجھے گئے اور انجام کار کا واقعات و حقائق کی صورت میں الہامی جواب قرار دیئے گئے اور اب بھی ان کے متعلق یہی عقیدہ ہزاروں نہیں لاکھوں نیاز مندوں کے دل و دماغ پر حاوی اور محیط ہو کر اس کی باتیں جذبات و تصورات کے بجائے وجدان و بصیرت کی عکاس ہوتی ہیں اور اس کے اپنے قول کے مطابق کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بھائی! ہم لوگ آندھی بن کر اٹھے اور بادل بن کر برس گئے۔ ہمتیں اور کام کی دھن لے کر چلے لیکن اخلاص کے ساتھ اور اس خیال سے کہ ہمیں کام کرنا ہے نام نہیں چاہیئے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ملک کی تمام جماعتوں اور انکے لیڈروں اور کارکنوں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ اور پھر ان کے آغاز و انجام کا حال بھی معلوم ہے۔ اور ہم فقیروں کی ٹولی کا حال ساری دنیا جانتی ہے۔ لوگ تعجب اور حیرت سے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ آپس میں کبھی بھی نہیں لڑتے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اگر موقع ہو تو بتاؤں کہ یہی ایک بات راز کی ہے، ورنہ ہمارا تمام زندگی میں کوئی راز تھا۔ نہ ہے نہ ہوگا۔ کہ ہم جمع ہوئے تو قوم و ملک اور دین کے لئے نہ محض عہدوں اور وزارتوں کے لئے نہ مال و دولت اور شہرت و ناموری کے لئے، ورنہ اس حساب سے ہم میں بہت سے ساتھی کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کئی زمیندار اور رئیسانہ شان کے آدمی تھے۔ اور مختلف قسم کی دنیاوی قابلیتوں کے مالک تھے۔ اور کئی دینی علم اور نیکی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے۔ لہذا اس میں کسی سے بڑھ جانے یا کسی پر حسد و رقابت کی نوبت ہی نہیں آسکتی تھی۔ بس بات ایک ہی تھی اور وہ یہ کہ کام کیا جائے جس سے جماعت کا بھلا ہو۔ قوم اور ملک کا بھلا ہو۔ چھوٹے آگے آئیں اور بڑے تدریجاً پیچھے ہٹیں اور صرف رہنمائی کریں۔ کوئی مسئلہ دربیش ہو تو مشورہ دیں اور عملی طور پر ہاتھ بٹائیں۔ اور مرنے کا وقت آئے تو سب کارکنوں اور رضاکاروں سے آگے ہوں تاکہ محض لیڈری نہ رہے۔ آخر جنہیں لوگوں کی اولاد کا خیال نہ رہے وہ اپنی اولاد کے لئے کب مخلص ہوسکتے ہیں۔ ہمیں آج کل کے خودغرض سیاسی لیڈروں کی طرح منہ پر تعریف اور درپردہ سازشیں کرنے کا ڈھنگ ہی نہیں آیا (اور خدا کی لعنت ہو ایسی منافقانہ رفاقت پر) ہم نے کبھی ایک دوسرے کو کہنی مار کر پیچھے نہیں ہٹایا تاکہ اپنا مقام بنا سکیں۔ بلکہ جس کو قابل دیکھا اس کو آگے کیا۔ اور اس کا یہ حال دیکھا کہ وہ دوسرے ساتھیوں کی منت کر رہا ہے کہ خدا کے لئے مجھے عہدہ مت دو۔ مجھ سے کام نہیں ہوگا۔ بس اصل بات یہی تھی کہ ہم عہدوں کے لئے کام نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کام کے لئے عہدے مجبوراً قبول کرتے تھے۔ اور میں تو ساری زندگی اس پر بھی راضی نہیں ہوا کہ عہدہ قبول کروں اور اگر مجبوراً دوستوں نے کبھی کھینچ گھسیٹ کے کچھ بنا بھی دیا تو بھی اپنی رائے اور ذاتی خیال کو کوئی درجہ نہیں دیا۔ بلکہ جو کیا مشورہ سے کیا۔ ہمیشہ اطاعت کی اور اکثر تکلیف اٹھائی لیکن ڈسپلن اور فیصلہ کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ اختلاف رائے اور لڑائی جھگڑا ہم اندر بیٹھ کے کر لیتے تھے اور باہر نکل کر جو ایک کہتا وہی سب کی آواز ہوتی اور جو ایک کرتا سب اس کی عملاً تائید کرتے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر آدمی اگر بڑا بننے کی فکر میں رہے، کام رک جائے گا۔ کچھ لوگ قوموں اور جماعتوں میں ایسے بھی ہونے چاہیئں جو بنیاد کا پتھر بن کر عمارت کے نیچے دب جائیں۔ جن پر کسی کی نگاہ بھی نہ پہنچے۔ تعریف کرنے والے عمارت کی بلندی اور اس کے طرز تعمیر کی تعریف کریں۔ لیکن حقیقت پر نظر رکھنے والے ان پتھروں کو دعائیں دیں جن پر ایسی مضبوط و بلند اور خوبصورت عمارت قائم ہو۔ بات کھنے کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں لیکن جب میں آج کل کے واعظوں، مبلغوں اور مقرروں کو شہرت کے لئے در بدر ہوتے دیکھتا ہوں تو پھر خدا کے اس فضل و کرم پر جو ہمیشہ سے میرے شامل حال رہا اور ہے اور جو کچھ بولنے کی نعمت اور عزت خدا نے مجھے نصیب کی اس پر غور کرتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے بے ہنر انسان سے کتنا اور کیا کام لیا۔ ایک وقت تھا جبکہ آج کے بولنے والے پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو مجھے ملک کے بعض حصوں اور خاص علاقوں میں لاکھوں انسانوں کو صرف لفظ "السلام علیکم" سکھانے میں ہی کئی برس لگ گئے۔ مسائل تو رہے ایک طرف اٹھنے، بیٹھنے بول چال، ملنے جلنے، حتیٰ کہ بعض علاقوں میں مدت تک پیشاب، پاخانے کے سلیقہ پر بھی تقریریں کرنی پڑیں۔ کیونکہ جب مردوں اور عورتوں کو بد تہذیبی عریانی اور بے حیائی میں مبتلیٰ دیکھا تو اسی پر مہینوں بولنا پڑا اور بتایا کہ دیہاتی اور شہری دونوں کو کس طریقہ سے بیت الخلاء کی سہولت مہیا کرنی چاہیئے۔ خصوصاً عورتوں کی بے حرمتی سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ باپ، بھائی اور شوہر گھر میں بیٹھے ہیں اور مائیں بہنیں اور بہو بیٹیاں ضروریات سے فارغ ہونے غیر مردوں کے سامنے باہر جنگل کو جا رہی ہیں۔ چنانچہ میں نے اس بد رسم کا سد باب کرنے کے لئے بارہا تقریریں کیں اور کئی جگہ پر تو میں نے خاص خاص لوگوں سے کہہ کے ان کے گھروں میں سنڈاس تک بنوائے اور تو اور سرحد میں یہ چیز میرے لئے سخت حیرت اور پریشانی کا باعث بنی۔ لیکن وہاں یہ فرق تھا کہ جب ان لوگوں کو اس بارہ میں شرم دلائی تو اس کا بہت جلد اثر ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ ابھی بھی غیور ہیں۔ الغرض تبلیغ کے راستے میں عقائد باطلہ کے ٹیلوں اور تودوں کو ہموار کیا، جاہلانہ رسم و رواج کے جھاڑ جھنکار صاف کئے مخالفت و عداوت کے گڑھوں کو پر کیا مزدوروں کی طرح پتھر ڈھوئے اور کوٹے مٹی اور بجری کی ٹوکریاں کندھوں پر اٹھائیں اور اسے بچھا کر اس پر تارکول ڈالا، پھر خود ہی انجن کی طرح راستہ برابر کر دیا۔ اور مدتوں کی جانکاہی کے بعد جہاں چلنا مشکل اور ایک قدم اٹھانا بھی دشوار تھا وہاں پیدل تو کجا، پھر گدھا گاڑی سے لے کر موٹر تک سب کچھ چلا۔ اور اب تو ہماری ان خود ساختہ اور پامال کردہ راہوں پر کتے بلے بھی دوڑتے پھرتے ہیں۔ لیکن دیکھنے والا صرف سڑک کی کشادگی اور ہمواری کی تعریف کرتا ہے۔ وہ تو شاید لاکھوں میں کوئی ایک ہو گا جس کی نگاہ سڑک بنانے والے اور اس کے لئے جان کھپانے والے کو تلاش کرتی ہو؟"

جس عظیم شخص نے بایں طور زندگی کے فرائض میں ٹھوس اور بنیادی جدوجہد کا امتیاز حاصل کیا۔ حتیٰ کہ اپنے وقت کی اہم ترین علمی و دینی شخصیت محدث العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ نے مئی ۱۹۳۰ء میں برصغیر کے تقریباً پانچ سو نمائندہ قوم اور جید علماء و صلحاء کی معیت میں جس شخص کے ہاتھ پر سیاسی قیادت اور دینی امارت کے لئے خود بیعت جہاد و امارت کی (اگرچہ وہ اس بیعت کے وقت بھی خود ہی حقیقی مقتدیٰ اور رہنما تھے) اور اسے "امیر شریعت" منتخب کیا۔ تو کیا ان تمام احوال و کوائف کے باوجود مذکورہ ہستی کی امیرانہ صلاحیت کی اصابت و خوبی، زعیمانہ استعداد کی پختگی اور اس کے قائدانہ اوصاف و شمائل میں کوئی مین میخ نکالی جا سکتی ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس ذات نے دور غلامی کی جکڑ بندیوں اور دشمن خدا وَرسول، فرنگی (لعنہ اللہ و خذلہ) کی قہرمانی قوت و سلطنت کی ظالمانہ کارروائیوں کے علی الرغم عقائد حقہ کی تبلیغ، فرقِ باطلہ کی تردید، غلامی اور نوکر شاہی کی مخالفت اور تحریک آزادی کی تائید وحمایت کی۔ خصوصاً غلبۂ اسلام، توحید اور ختم نبوت و استیصال مرزائیت جیسے اہم ترین مسئلہ میں قوم کی قیادت کی۔ تن تنہا تمام افراد اور جماعتوں کے کارناموں سے زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز مہم سر کر ڈالی! نیز عزم وہمت اور توکل کے گھوڑے پر سوار ہو کر کتاب اللہ کے آسمانی اسلحہ سے لیس ہو کر مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ اور حسن بن صباح کے جانشین دجال اعظم مرزائے کادیانی

(قبح اللہ وجھہ و اخزاہ و کل من تبعہ فی الدینا والاخرۃ۔ آمین!!!)

کی نبوۃ کاذبہ و باطلہ کے ہیبت ناک قلعہ پر تابڑ توڑ حملے کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے دجل و تلبیس اور اغواء و فریب کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ازلی غلامان کفر و ارتداد جاسوسان فرنگ و دم بریدہ سگان برطانیہ، اُمتِ مرزائیہ کے مذہبی وسیاسی فراڈ کے ہولناک بت کو میدان رزم و مقابلہ میں جرح و استدلال کی بمباری سے اس طرح چکنا چور کیا کہ آج اس کا یہ عظیم کارنامہ دینی و قومی تاریخ اور بین الاقوامی اہمیت کے نقطہ نظر سے شہرت لازوال حاصل کر کے ایک مستقل تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جس کی گونج گرج سے ایوان فرنگ کے در و دیوار لرز رہے ہیں۔ جس کی کفر سوز سرگرمی اور ارتداد کش تاثیر کی بدولت کادیان و ربوہ کے جعلی بہشتی مقبرہ کی غلیظ و بوسیدہ ہڈیاں چٹخ رہی ہیں۔ تبلیغ و اعلان حق کے لئے جس کی شہسوارانہ یلغار اور استیصال کفر و خاتمہ ارتداد کے لئے جس کی مجاہدانہ غارت گری آج عقیدہ توحید و ختم نبوت کی فتح مُبین اور فوز و کامرانی کے نتائج و آثار پیدا کرنے کا موجب بن رہی ہے۔ تو کیا اس ذات کی یہ غیر فانی مجاہدانہ جدوجہد اور مدار نجات و مغفرت اسلامی تحریک کسی اعتراض و اختلاف کا ہدف بنانے کے قابل قرار دی جاسکتی ہے؟

جس ذات کے حسب و نسب کی صحت اور خاندانی شہرت نیز ہر دور میں خواص و عام کی طرف سے اس کے خانوادہ کو اعتماد و مقبولیت کی سند ملے اور اس خاندان کے بیشتر افراد اپنے فضل و شرف کی بناء پر اپنے اپنے زمانہ میں تحقیق نسب اور سیادت و نجابت کا معیار بنتے رہے ہوں۔ یعنی جسے طبعی اور خلقی طور پر بھی شرافت و بزرگی کا امتیاز حاصل ہو اور باطنی لحاظ سے بھی تقدس و طہارت نسلاً بعد نسل جس کی فطرت کا خمیر ہو۔ اس کے حسیب و نسیب ہونے اور اس کی سیادت و سروری میں کوئی کلام ہوسکتا ہے؟۔

نہیں اور ہرگز نہیں

مندرجہ بالافقرہ جواب ہے گزشتہ تمام سوالات کا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر محض ان سوالات کی ایک تصویر بنا کر صرف مسؤل عنہ کی ذات کو اس کے تمام اوصاف و اعمال کی روشنی میں ایک نظر دیکھ لیا جائے تو بقول کسے:

اے لقاء تو جواب ہر سوال!

یہ سوال نامہ یا استفساری دستاویز آپ کو مبنی بر حقیقت اور مطابق واقعہ جوابات کے ایک دفتر میں تبدیل شدہ نظر آئے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وکفیٰ بہٖ شہیداً!

تو آخر پھر گزشتہ تمام سوالات کا مکمل جواب اور جملہ مذکورہ صفات کا حقیقی مرکز کون ہے؟ وہ ایسا گرامی قدر وجود ہے جو زمانہ کی رسم کے مطابق صرف اتنا ہی نہیں کہ خود کسی مشہور خاندان کا ایک فرد ہے اور بس۔ بلکہ جس خانوادۂ مجد و نجابت کے طفیل دنیا کو شہرت و ناموری اور صَیت و غلغلہ کا حقیقی مفہوم سمجھ میں آیا لیکن گردش زمانہ نے صدیوں سے اس کے اکابر رجال کے کارناموں کو مدہم اور مضمحل کر دیا تھا۔ وہ شخص مذکورہ خاندان کی طرف سے ازسر نو سفیر علم و فضل، نمائندہ مجد و نجابت، قاصد رشد و ہدایت، داعیٔ اصلاح و تجدید، اور قائد تحریک و انقلاب اور صرف مشہور و معروف ہونے کے بجائے خود معرف الاباء والاجداد کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور اصل کمال بھی یہی ہے کہ انسان کسی کی شہرت و فضیلت کے سہارے نامور ہونے کے بجائے خود اپنے اخلاق و اعمال کے ذریعہ اپنے حسب و نسب، آباء و اجداد، اعزہ وَاحباب، نیز اپنی ذات اور جماعت کو بھی لازوال، شہرت و معروفیت کا درجہ عطاء کر دے اور "لاریب"! کہ ہمارے ممدوح کو بھی مبداء فیاض نے انہی اوصاف و خصائص کا مرقع بنا کر بھیجا تھا۔ جسے اپنے تو جانتے ہی ہیں۔ مگر بیگانے اپنوں سے کہیں زیادہ اور بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور جس کی روحِ علم و عمل، اس کے پیکر جسم و مادہ کے متعلق ایک عرب شاعر کی زبان سے مدعیان علم و فضیلت کو خاموش دعوت مبارزت دے رہی ہے کہ:

فالخیل واللیل والبیداء تعرفنی!
والسیف والرمح والقرطاس والقلم،

(سواری کے گھوڑے، رات کی ساعتیں اور میدانِ سفر میرے حال سے باخبر ہیں۔ تیر و تلوار مجھے پہچانتے ہیں اور کاغذ و قلم بھی میرے آشنا ہیں؟) اور اگر معمولی تصرف کے ساتھ اسے یوں پڑھ لیا جائے کہ۔

ہذا الذی تعرف البیدآء وطاتہ،
والعلم یعرفہ، والقول والقلم!

(یہ وہ ذات ہے کہ رزم گاہِ عمل اس کی یلغار سے باخبر ہے۔ علم اسے پہچانتا ہے۔ اور خطاب و تحریر اس سے آشنا ہیں!)

تو اور بھی موزوں اور مطابق احوال ہو جائے گا۔ جس سے بیان و قلم اور علم و عمل کے دونوں قابل فخر جوہر نمایاں تر ہو جائیں گے۔

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا؟
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لئے!

جن کا نام نامی اور اسم گرامی ہے سید شرف الدین احمد عطاء اللہ شاہ بخاری

ولادت۔ یوم جمعہ، بوقت سحر، ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کی چاند رات مطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء۔

نام۔ ددھیال کی طرف سے عطاء اللہ اور ننھیال کی جانب سے شرف الدین احمد رکھا گیا۔

کنیت۔ ابو العطاء یا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطاب۔ امیر شریعت

تخلص۔ ندیم

والد ماجد حضرت حافظ سید ضیاء الدین بخاری ابن حضرت سید نور الدین بخاری قدس اللہ سرہ۔

والدہ محترمہ سیدہ فاطمہ اندرابی بنتِ مولانا حکیم حافظ سید احمد اندرابی نور اللہ مرقد ہما۔

نانی صاحبہ قطب العالم امام الواصلین و العارفین حضرۃ خواجہ باقی باللہ دہلوی قدس سرہ کی نواسی تھیں۔ جو ہنگامۂ ۱۸۵۷ء کے اثرات و نتائج میں دہلی سے بہار میں پناہ گزینی پر مجبور ہوئیں۔ اور وہاں سادات اندراب کے ایک نامور فرد سے ان کا عقد نکاح ہوا۔

پرنانا۔ حضرت میر سید عبد السبحان اندرابی رحمۃ اللہ علیہ، ننہال کے مورث اعلیٰ تھے۔ جو کشمیر سے ہندوستان وارد ہوئے اور بہار کے شہر پٹنہ عظیم آباد میں سکونت اختیار کی۔ جہاں باطنی شرف و مجد کے علاوہ ظاہری دولت و امارت میں بھی انہیں ممتاز مقام حاصل ہوا۔ چنانچہ حوادث زمانہ کی دست برد سے بچی ہوئی ان کی جائیداد کا ایک حقیر سا حصہ محلہ خانہ باغ پٹنہ میں ایک عظیم الشان حویلی کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔

اس نجیب الطرفین ذات گرامی نے بچپن ہی سے علم و فضیلت، تہذیب و اخلاق، حُسن معاشرہ اور آداب زندگی کے معلم ماحول میں پرورش پائی۔ پیش نظر تحریر کے مقصد کے طور پر یہ جاننا مناسب ہوگا کہ حضرت ممدوح کی نانی صاحبہ روحانیت و اخلاق کا منبع ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری اوصاف حسنہ کا مرقع بھی تھیں۔ خصوصاً سخن فہمی، زبان دانی میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھا۔ محاورہ کے مطابق دلی کی کوثر میں دھلی ہوئی زبان ان کے نطق و تکلم کا زیور تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے مشہور شاعر اور اپنے وقت کے استاذ تغزل میر سید علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم اپنے کلام کو سطحی زبان سے مبریٰ رکھنے اور مستند بنانے کے لئے مفردات الفاظ، محاورات اور ضرب الامثال پوچھنے، ان کی تحقیق کرنے اور اُن کی سند لینے کی غرض سے حضرت ممدوح کے ننہال سے گہرے تعلقات اور بے تکلفی کی بناء پر، محترمہ موصوفہ رحمہا اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے اور ان کی تحسین و تصویب سے مستفید ہوتے تھے۔ خود شاہ جی کے نانا سید احمد مرحوم خوش الحان حافظ، عالم دین، طبیہ کالج لکھنؤ کے مستند حکیم حاذق اور زبان و بیان پر قدرت رکھنے والے ایک خوش گلو نغمہ طراز بھی تھے۔ شاہ جی کو شاد مرحوم کی علمی و ادبی محفلوں میں بکثرت بیٹھنے کا موقع ملا۔ ان کا کلام اور وقت کے متعدد اہل فن کے چیدہ چیدہ اشعار انہیں از بر تھے۔ مزید بر آں گھر میں ماموں، جو کئی بھائی تھے۔ بعض ان کے ہم عمر اور بعض کبیر السن تھے۔ نیز بچپن کے بعض خاص رفیق، ان سب کی آپس میں محفل مشاعرہ جمتی اور پرانے علمی گھرانوں کے رواج اور مذاق کے مطابق بیت بازی کا معرکہ برپا ہوتا۔ چنانچہ اسی بہانہ سے اردو اور فارسی کے مختلف مشہور و معروف اساتذۂ فن کا ذخیرۂ اشعار ان اہل مجلس کے نہاں خانۂ قلب و دماغ میں محفوظ ہوگیا۔ جس پر ضبط و حفظ، ذہانت و ذکاوت، تعلیم و تعلم، بحث و تکرار اور مشق و تمرین نے سونے پر سہاگے کا کام دیا۔ اور ابتداء سے ہی زبان دانی، سخن طرازی، سخن فہمی، بدیہ گوئی، طلاقت لسانی، موزونیٔ طبع اور شعر گوئی کے ذوق و استعداد نے ان کے دل و دماغ کو اپنا گھر بنا لیا۔ اسی ملکۂ تکلم، قدرت علی البیان اور استعداد و ذوق سخن نے آگے چل کر ان کی

© rasailojaraid.com

خطابت و تقریر کو ایسے چار چاند لگائے کہ بڑے بڑے زبان دان اور اہل فہم ان کے حسنِ انتخاب، بدیہہ گوئی اور سخن طرازی پر داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔ حتیٰ کہ وہی استعداد و ذوق جب اپنی اصلی شکل اور مطلوبہ راستے میں نمودار ہوا تو اس نے دبی دبی چنگاریوں کے خول سے نکل کر کبھی کبھی ابھرتے ہوئے شعلوں کا قالب بھی اپنا لیا۔ اور شعر خوانی کے جذبہ نے داعیۂ شعر گوئی کی صورت اختیار کر لی۔

عنفوان شباب میں جب کہ تحصیل علم جاری تھا اور تقریر و خطابت کا وعظ کی صورت میں آغاز ہو چکا تھا۔ مشقِ سخن کے لئے پہلے بھی طبیعت کچھ آمادہ ہو چکی تھی۔ لیکن یہ چیز تبعاً تھی۔ اصل مشغلہ اور مصروفیت تبلیغ و تقریر کا کام تھا۔ بہر کیف اس وادی میں قدم رکھا تو بہر ضابطہ کے مطابق رہبر سفر سے آشنائی اور ربط کی قدیم رسم بھی پوری کی گئی۔ اور سب سے پہلے امرتسر کے ایک ذی علم و ادب بزرگ جو معلم و ادیب اور شاعر نیز ایک باعزت و متدین تاجر بھی تھے یعنی مولانا محمد دین غریب مرحوم ان سے سلسلۂ تلمذ قائم کیا گیا۔ مگر اس سارے عرصۂ تعلیم و تلمذ میں ایک مصرع طرح پر گرہ لگانے کے سوئ اور کوئی شعری یادگار قائم نہ ہوئی۔ بعد ازاں تحریک خلافت میں سرگرم حصہ لینے کی بناء پر جب میانوالی جیل میں دو سال تک محبوس رہنا پڑا تو وہاں حضرت مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا لقاء اللہ عثمانی پانی پتی، صوفی محمد اقبال مرحوم پانی پتی، جناب آصف علی مرحوم دہلوی، عبداللہ چوڑیاں والے دہلوی، سالک بٹالوی اور بابا گوردت سنگھ کومی جیسے اہل علم و فضل اور اصحاب ذوق کی شبانہ روز ہمہ نشینی و بزم آرائی نے پرانے جذبات اور ولولے پھر بیدار کر دیئے۔ وہاں بھی محفل مشاعرہ منعقد ہوتی۔ نظم و غزل کی صورت میں کلام پڑھا جاتا اور گرہیں لگائی جاتیں۔ چنانچہ اس زمانہ کی ادبی یادگار کے طور پر بھی تین چار شعر ہی میسر آئے اور اس کے بعد تو پھر تیس برس کی ہنگامہ خیز اور طوفان آفریں قومی و سیاسی زندگی میں فرصت و عافیت کے اس نرم و نازک شغل کے لئے نہ کوئی گنجائش پیدا ہو سکی اور نہ بہ تکلف پیدا کی جا سکی۔ تا آنکہ ۱۳۶۲ھ، ۱۹۴۳ء میں مشہور کمیونسٹ شاعر ساحر لدھیانوی کی مشہور نظم قحطِ بنگال کے مضمون سے متاثر ہو کر پھر ایک عمدہ شعر موزوں ہوا۔ اور دو سال تک التواء و تعطل کی کیفیت طاری رہی۔ البتہ جب مدت مدیدہ کی کشمکش کے بعد دو قومی نظریہ اور ملکی وحدت کے فکر کی سیاسی ٹکر ناگزیر ہو گئی اور برطانوی حکومت نے ۱۳۶۴ء، ۱۹۴۵ء کے وسط میں ملک گیر عام انتخابات منعقد کرانے کا اعلان کر دیا تو اس زمانہ میں بعض خاص محرکات و عوامل کے زیر اثر احساس انفعال نے تقریر و خطابت کی تندیوں اور جولانیوں کے ساتھ ساتھ ادبیت و شعریت کی لطافتوں اور روانیوں میں بھی اپنے بعض حسین و دلفریب اور نادر الوجود نمونے بہم پہنچا دیئے۔ چنانچہ اکثر مدائح، منظومات اور قطعات و اشعار اسی انقلابی دور کی یادگار ہیں۔ جن کی محدود تر اشاعت پر بھی اس وقت کی متعدد مسلمہ ادبی شخصیات اور مقتدر علمی جرائد نے نہایت موزوں الفاظ اور فرخدلانہ انداز میں داد و تحسین کے پھول نچھاور کئے تھے۔ اور صاحب کلام کی علمی فوقیت، وسعت مطالعہ، قوت استعداد، بلندیٔ سخن، حسنِ ذوق اور کمال فن کا بصدق و خلوص اعتراف کیا گیا تھا۔ اس مختصر ذخیرہ میں پھر تقسیم ہند کے بعد بھی کچھ اضافہ ہوا ہے۔ لیکن یہاں کے حالات و حوادث نے حضرت ممدوح کے جذبۂ ادب نوازی و سخن طرازی کو اس طرح مضمحل اور افسردہ کر رکھا ہے کہ باوجود قدرے فراغت و فرصت کے بھی ان کی طبع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حساس اس طرف مائل نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز محض فرصت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ امن و سکون اور راحت کی بھی طلب گار ہے۔ اور امن و راحت تو اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے مدت سے عنقا ہو چکا ہے!

الغرض یہ جو کچھ بھی تھا طبعیت کا جوہر اور فطرت کا عکس تھا۔ تکلف و تصنع کا نمونہ یا کسب اور پیشہ وری کا آئینہ نہیں۔ بلکہ وہ جذبات جو دینی عقائد، سیاسی افکار اور حوادث و واقعات کے زیر اثر کہیں تقریر و خطبہ میں ظاہر نہیں ہوئے تو انھوں نے اپنے ظہور و نمود کے لئے نثر کے بجائے نظم کا روپ دھار لیا اور بس۔ اس کے ثبوت کے لئے یہی جاننا کافی ہو گا کہ اس کلام کا بیشتر حصہ سیاسی ہنگامہ آرائی اور مضطربانہ زندگی کے باوجود لاریوں اور گاڑیوں میں سفر کرتے ہوئے موزوں ہوا ہے۔ اور یہ حالت شعر گوئی و سخن سازی کے لئے جس قدر مناسب اور جتنی "ممد و معاون" ہو سکتی ہے اہل عقل و ہوش پر مخفی نہیں؟ ورنہ اگر کہیں حضرت ممدوح تقریر و خطابت کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کو بھی اپنا ایک مستقل مشغلہ بنا لیتے تو حقیقت یہ ہے کہ اس فن میں بھی وقت کے امام سخن اور اشعر الشعراء شمار ہوتے۔ کیونکہ ان کی طبعیت میں شاعرانہ ذوق اور حسن اداء کے تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے لیکن بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

ولولا الشعر بالعلماء یزری
لکنت الیوم اشعر من لبیدا

(اگر شعر گوئی کا پیشہ علماء دین کے لئے باعث تحقیر نہ ٹھہرے تو میں آج لبید بن ربیعہ عامری (رضی اللہ عنہ) سے بڑا شاعر و سخن ور ہوتا)

ایک تو وہ اس فن کو ابناء وقت اور زمانہ سازوں کی طرح اپنی شہرت و ناموری اور جلب زر کا ذریعہ نہیں بنا سکتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کی فطرت و صلاحیت کے مطابق قدرت کاملہ نے چونکہ ان کا انتخاب وعظ و تبلیغ اور تقریر و خطابت کے لئے ہی کر رکھا تھا۔ اسلئے بھی وہ شعر گوئی اور سخن طرازی کے لئے مستقل وقت اور فرصت نکال کر اس میں مصروف و مشغول نہیں ہو سکتے تھے۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی اس مختصر سے مجموعہ میں جو اپنی لفظی مقدار اور کتابی ضخامت کے پیش نظر ایک تبرک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ سب کچھ موجود ہے جو ایک فنکار شاعر کے ضخیم دیوان میں ہونا چاہیئے یا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ یہ کتابچہ اس وقت مدح و نعت، منقبت، نظم، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، طنز و تفنن، اور مزاح و ظرافت کے مختلف شاہکاروں پر مشتمل ہے جو اپنے شایان شان اور مناسب حال طریق سے سلیقہ مندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور صاحب کلام کی عوامی خطابت کی طرح ان میں بھی الفاظ کی چستی بندش کی قوت تخیل کی رفعت، بیان کی لطافت، زبان کی پختگی، بداہت کا شکوہ، تراکیب کا حسن، تشبیہات کی ندرت، اور فی الجملہ کلام کی جامعیت اور فن کی مہارت کے جلوہ ہائے گونا گوں متحرک و رقصاں ہیں! پھر انتہائی اجمال و اختصار کے باوصف توحید ذات و صفات. وحدت الشہود یا وحدت الوجود، وحی و رسالت، عصمت و ختم نبوت، سیاست دینیہ، حکومت الیہہ، غیرت قومی، حمیت ملی، شجاعت ظاہری، جرأت دینی، حق گوئی و بیباکی، فقر و استغناء، درویشی و قلندری، معرفت نفس اور اظہار حقیقت جیسے جامع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عنوانات اور متنوع مضامین بھی اس کلام بلاغت، نظام کا طرۂ امتیاز اور زیب و زیور ہیں؟ علاوہ ازیں حضرت ممدوح جیسے سراپا مقصد اور ہمہ تن اصول خطیب و سخنور کے اپنے الفاظ ہیں کہ:

"اگر انسان اپنے "مافی الضمیر" کو بہتر سے بہتر حسین سے حسین اور مختصر الفاظ میں اس ترتیب کے ساتھ بیان کرے کہ اس میں ترنم پیدا ہو جائے تو یہ "شعر" ہے"

اس میزانِ قول و کلام اور معیار شعر و سخن پر اگر خود ان کے اپنے فرمودات ہی کو تولا اور جانچا جائے تو وہ کلمات شعر و نغمہ کا صحیح مصداق ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان اشعار و نغمات کو موجودہ دور کی اس بحث و تنقید کے لحاظ سے بھی کہ کلام کو ادب برائے ادب کے بجائے ادب برائے زندگی کا علمبردار ہونا چاہیئے۔ یہ شرف بدرجۂ کمال حاصل ہے کہ وہ محض صوت و ترنم کے بجائے اصول و مقصد کے پیمانوں اور سانچوں میں ڈھلے ہوئے ہیں! اب ظاہر ہے کہ جیسی زندگی اور اس کے اصول و مقاصد ہوں گے۔ اور جیسا کسی کا ضمیر و باطن اور فکر و عقیدہ ہو گا اسی قسم کا ادب و شعر بھی اس سے ظہور میں آئے گا۔ تو پھر جس شخص کی بول چال، وصل و انقطاع، خلق و معاشرہ، فکر و نظر، عقیدہ و مسلک، قول و عمل غرض اسلام کی دعوت و تبلیغ غلبۂ دین حق کی تجویز و تحریک اور حریت و انقلاب کے لئے جدوجہد اور سعی و کوشش جس کا اوڑھنا بچھونا بن جائے کیا اس کا مافی الضمیر کسی اصل و مقصد کا حامل اور اس کی زبان شعر و خطابت زندگی کے صحیح اور اٹل مقتضیات کی ترجمان اور پیغامبر ہو گی یا نہیں؟ ظاہر ہے اثبات و تائید میں جواب دیئے بغیر چارہ کار نہیں؟ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت ممدوح کی تمام تر خطابت اور شاعری بھی بااصول و بامقصد اور ایک مکمل انسان یعنی ایک سچے مسلمان کی زندگی کی حرکت و حرارت کی آئینہ دار ہے۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ اسلام سے بڑھ کر صحیح اور زندگی آمیز کوئی نظریہ نہیں۔ اور غلبہ دین حق کے لئے حریت طلبی و انقلاب آفرینی کو اپنا وطیرہ بنا لینے سے زیادہ واقعی اور زندگی آموز دنیا میں کوئی مقصد نہیں لہٰذا بلاشک و بلاریب اور بلاخوف لومتہ لائم کہا جائے گا کہ یہ مجموعہ کلام اگر ایک طرف فن شعر و حکمت پروری کے خوشرنگ اور سدا بہار پھولوں کا یہ گلدستہ ہے تو دوسری جانب بااصول و بامقصد زندگی کے گہرے احساسات کی جیتی جاگتی تصویر اور اٹل مقتضیات کا واقعی ترجمان بھی ہے۔ غرض شعر و نغمہ کے پھولوں کا گلدستہ اور حکمت و دعوت کے موتیوں کا یہ ہار اہل علم و عمل دونوں کے لئے باعث توجہ اور جاذب قلب و نظر ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ:

بہارِ عالم حُسنش دل و جاں تازہ می دارد!
برنگ ارباب صورت را، ببُو اصحاب معنیٰ را

ہر چند کہ یہ تحریر اپنے ابتدائی عنوان کے مطابق حضرت ممدوح کا واقعی تعارف نہیں ہے کیونکہ ان کی ذات کسی تبصرہ و تعارف کی محتاج نہیں بلکہ ان کے دم سے ہزاروں نے شہرت و معروفیت حاصل کی اور کسی کے حق میں ان کی، کی ہوئی تعریف خود مقبولیت کی ایک سند سمجھی جاتی ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہی نہیں کہ مجھے ایک عظیم المرتبت خطیب اور قادر الکلام شاعر و سخنور کے فرمودات پر ایک تعارف نویس اور تبصرہ نگار کی طرح رسمی طور پر کچھ کہہ دینا ہے اور بس! بلکہ معاملہ یہ ہے کہ شخص ممدوح خطیب و شاعر کے علاوہ مجھ جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے بضاعت و کم سواد کے ہمہ صفت موصوف اور گرامی قدر باپ بھی ہیں۔ اور ایسے باپ جو دنیا میں لوگوں کو کم نصیب ہوئے ہیں! اس لئے میں تو ایک ایسی الجھن میں پھنس گیا جس سے خلاصی مشکل تھی کہ اگر ان کے بارہ میں جبکہ انہیں کا ایک تحریری کارنامہ بغرض افادہ نشر کیا جا رہا ہے۔ میں ہی خاموش رہتا ہوں تو یہ چیز اظہار حقیقت اور شہادت واقعہ کے سلسلہ میں مضر نظر آتی اور اگر میں خود ہی کچھ کہتا ہوں تو رسم زمانہ کے مطابق اسے دُرمدح خود می گوید یا پدرم سلطان بود کے معترضانہ تیر و نشتر سے زخمی کر دیئے جانے کا خدشہ محسوس ہوتا۔ لیکن میں نے مستعد ہو کر آخری اور بڑی آزمائشی صورت کو عمداً اختیار کر لیا۔

اولاً اس لئے کہ جو کچھ مجھے کہنا اور لکھنا ہے یہ سب اس حیثیت سے نہیں کہ میں ایک غیر معروف شخص کو منظر عام پر لانے کے لئے زور قلم صرف کر رہا ہوں کیونکہ یہ صورت اکثر وہیں پیش بھی آتی ہے جہاں ممدوح قصیدہ گو سے بہرحال کم شہرت اور زیادہ اجنبی ہوتا ہے۔ تو مدح کرنے والا اپنی علمی برتری اور ناموری کے ذریعہ گمنام کو مشہور کر دیتا ہے۔ بلکہ میرا حال یہ ہے کہ ایک ایسا شخص میرے سامنے اپنے تمام اوصاف و خصائص سمیت موجود ہے جس کی متنوع، ہمہ گیر طوفانی اور انقلابی زندگی کا ناقدانہ تجزیہ کرنا میرے کیا سب جاننے اور لکھنے پڑھنے والوں کے لئے حتیٰ کہ خود اس شخص کے لئے باوجود قدرت بیان کے ایک مہم سر کرنے سے کم نہیں۔ جس کی شخصیت سے متعلق خیالات و تصورات کے ہجوم نے فکر و بصیرت کو حیران اور دم بخود کر کے رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اس اضطراب اور ہچکچاہٹ کی حالت میں بجز اس کے کہ میں صرف اپنے مشاہدات، احساسات اور تصورات کو ایک واقعہ کی طرح صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دوں اور کوئی تعبیر نہیں جو اس مفہوم کو ادا کر دے۔ کیونکہ حقیقی تعارف و مدح سے میں عاجز ہوں اس لئے ممکن صورت صرف ایک ہے کہ میں حضرت ممدوح کو ایک گرامی قدر باپ، عظیم خطیب اور بلند شاعر کی حیثیت سے جو کچھ دیکھا، پایا اور سمجھا ہے اسے حتی المقدور بیان کر دوں نہ یہ کہ جیسی شخصیت ہے اس کے شایان شان اور مناسب حال کوئی تعارف اور تبصرہ سپرد قلم کروں۔

ثانیاً اس لئے کہ میں نے سوچا جہاں یہ بات ایک لحاظ سے قابل غور معلوم ہوتی ہے کہ ایک نامور باپ کی تعریف اولاد خود نہ کرے بلکہ اہل اور تنقید و تبصرہ کے حقدار لوگ خود ایسے شخص کو اس کے حالات کے مطابق تعریف و مدح کے پیمانوں سے ناپیں یا پھر اس کے مخالفین اور مدمقابل اس کے اوصاف و محاسن کا اعتراف کریں۔ وہیں یہ بات میری عقل و وجدان کے لئے ایک مہمیز بن گئی کہ اگر ایک مستحق تعریف و منقبت باپ کو اس کی اپنی اولاد شہادت واقعہ، اظہار حقیقت اور تحدیث نعمت کے طور پر خود ہی یاد نہ کرے تو آخر اور کون ہے جو ایسے شخص کو اس کے مناقب و اوصاف کے آئینہ میں صحیح رنگ میں دیکھنے کا خواہشمند ہو گا۔ اور بات اصل میں یہ ہے کہ دنیا میں یا تو بے نیاز تعریف باپ کی اولاد اسے یاد نہیں کرتی، یا پھر ناخلف اور دیمک خوردہ شجرہ کی نامزد ذریت اپنے اصل کو فراموش کرتی ہے۔ کسی حلال خون اور خلف صحیح کے لئے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے ہی باپ یا عام الفاظ میں آباؤ اجداد کے حق میں ان کے شایان شان تذکرہ یا کم از کم ضرورت کے مطابق تعریف و تبصرہ سے دستبردار ہو جائے۔ تو ظاہر ہے کہ استدلال کا یہ آخری پہلو محض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذباتی ہونے کے بجائے عقل و ہوش اور وجدان و بصیرت کے لئے ایک قابل غور و تدبر مرحلہ ہے۔ اور ہر اولاد کے لئے اس کے آباء و اجداد کے حق میں ایک لائق اتباع و تقلید اسوہ!

ولكل قوم سنة واما مُها

(اور ہر ایک گروہ کا ایک عملِ اور ایک قائد ہوتا ہے)

وہ صرف ایک کامیاب واعظ، شعلہ بار مقرر اور جادو بیان خطیب ہی نہیں بلکہ ایک نغز گو شاعر، جذبات آفریں رجز خوان اور قادر الکلام سخنور بھی ہیں۔ جس کے جسم و پیکر میں ایک عالم کی روح، ایک فلسفی کا دماغ، ایک حکیم کی فراست، ایک عارف کی بصیرت، ایک شاعر کا دل، ایک غازی کا حوصلہ، ایک مجاہد کا عزم اور ایک مکمل انسان یعنی ایک مومن صادق کا ضمیر دھڑک رہا ہے۔ دعاء ہے کہ رب قدیر اس شاعر ملت، خطیب امت عظیم انسان اور صاحب ایمان کو نواہائے سحر گاہی اور نغزہ ہائے فطرت کے زیر و بم سے ہمارے افکار و اخلاق کی اصلاح و تربیت کو وابستہ فرمادے۔ اور اس کی مثالی زندگی کے نشیب و فراز میں ہمارے عقائد و اعمال کی استقامت و صلاحیت کو مقدر کردے۔ اور ہم میں سے فرداً و جماعتہً ہر متنفس کو یہ توفیق بخشے کہ وہ حضرت ممدوح کی قیادت و رہنمائی میں صراط مستقیم پر گامزن ہو کر خدمت دین حق کا دنیوی اعزاز اور نجات و مغفرت کی اخروی سعادت حاصل کرسکے۔

فتلك منى قلبى ولى بغيتى التى؟
اذانلتها حازت لى الفوز اجمعا!

اللهم وفقنا لماتحب وترضىٰ فائانسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والسلامہ من کل اثم والغنیمتہ من کل بر والفوز بالجنتہ والنجاۃ من النار۔ فیارب صلی وسلم و بارک علی عبدک ورسولک افصح العرب والعجم سید الاولین و خاتم النبیین ء خاتمتہ المرسلین محمد الامی و الہ واصحابہ وازواجہ و اتباعہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین! آمین

(منقول از "سواطع الالہام")

جنوری ۱۹۵۵ء نادیتہ الادب الاسلامی

ملتان

© rasailojaraid.com